حالی و شبلی کی تنقید اور عصری شعور

محمد امجد عابد

ABSTRACT:

"Consciousness of contemporary age" significantly contains depth so far as its actual meanings are concerned. It is such a feeling that occurs because of social changes that influence mind and heart of a creator and indirectly comes under the discussion of a critic. Hali is founder of modern Urdu criticism. He is the first critic to have developed critical theories and principles and related poetry with society. His criticism is not the Sheer product of social theories but it fulfils the social needs of his age. He put a critical eye on social life of his age and suggested amendments to improve it. The second important critic of the same time is Maulana Shibli Noumani. He also stressed upon collective and social point of view in criticism. He probed into the social and socital issues that had impacts on literature. He tried to coup with these issues following his contemporary consciousness.

''عصر'' کے لفظ میں ایک خاص زمانے یا عہد کا تصور پایا جاتا ہے۔ یعنی ایسا زمانہ جو اپنی حدود رکھتا ہے اور رواں دواں وقت میں کہیں ایک عہد موجود کی صورت میں اپنا وجود رکھتا ہے۔ ''شعور'' کا لفظ 'ادراک یا آگہی' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شعور' احساس کو بھی کہتے ہیں۔ جس کے ذریعے ہمیں اپنے ماحول' گرد و پیش اور حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ تو ''عصری شعور'' سے مراد کسی بھی عہد، زمانے یا وقت کی مختلف حالتوں کے بارے میں مکمل آگاہی اور علم رکھنا ہے۔ زمانے یا عہد کی یہ حالتیں سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، معاشی اور اقتصادی ہوسکتی ہیں۔ عصری شعور کا دائرہ کار بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے اور یہ زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ''عصری شعور' ایک کُل ہے جس کے مختلف اجزاء ہیں۔ مثلاً سماجی، تمدنی، اخلاقی، تعلیمی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، تاریخی، ذاتی، نفسیاتی، تہذیبی، مذہبی، سائنسی و دیگر۔ درج بالا شعبہ ہائے زندگی کے

بارے میں شعور حاصل کر کے ہم ایک کُل یعنی ''عصری شعور'' میں داخل ہوتے ہیں۔ زمانے یا وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عصری شعور میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور یہ تغیّر پذیر رہتا ہے۔ ایک نقاد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے عہد کی صورت حال کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے ''روحِ عصر'' تک پہنچ جائے اور اس کی روشنی میں ادب یا تخلیق کے مطالعہ سے اس کیفیت یا صورت حال کو جان لے جس سے ایک تخلیق کار دو چار ہو رہا ہے۔ لہٰذا نقاد کو ''عصری شعور'' سے بہرہ ور ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ 'عصری شعور' سے خالی اور سماجی طرزِ احساس سے عاری تخلیقات، تخلیق کار کی سوچ کو محدود اور فکر کو تنگیٔ داماں کا اسیر بنا دیتی ہیں۔ اور انہیں قبولِ عام کی سند حاصل نہیں ہو سکتی۔

اردو تنقید اپنے آغاز ہی سے عصری شعور اور سماجی ادراک کو اپنے ہمرکاب لے کر چلی ہے۔ اس وقت بھی جب تنقید کی کوئی با قاعدہ شکل موجود نہیں تھی اور ہم مختلف لوگوں کے ترتیب دیے ہوئے تذکروں ہی میں تنقیدی نکات تلاش کرتے تھے۔ تذکرے با قاعدہ تنقید کی ذیل میں تو نہیں آتے لیکن ان کی ترتیب میں اور شعرا کی فہرست سازی میں اس تنقیدی شعور کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس نے شعرا کے انتخاب اور ان کے کلام کے چناؤ میں اہم کردار ادا کیا۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب بھی کوئی تذکرہ نگار تذکرہ مرتب کرتا ہے تو بعض بنیادی اور اہم باتیں اس کے ذہن میں موجود ہوتی ہیں مثلاً اس کے نزدیک شعرا کے انتخاب کا معیار کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے منتخب کردہ شعرا کس حد تک اس کے معیار پر پورے اترتے ہیں اور سب سے اہم یہ کہ وہ کس حد تک اپنے عہد کے طرزِ احساس سے وابستہ ہیں۔ وہ شاعری میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا کس حد تک ادراک رکھتے ہیں اور پھر یہ کہ وہ کس حد تک اپنے عہد کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ یہی بات عصری شعور کے ذیل میں آتی ہے اور ایک نقاد بھی پوری طرح اس احساس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ تذکروں کے مقام سے گزر کر مولانا الطاف حسین حالی تک پہنچتے پہنچتے اردو تنقید بے ربطی اور غیر تنظیم شدہ صورتحال سے ایک مربوط اور جامع شکل اختیار کرتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اس صورت حال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سماجی زندگی میں (جو) تغیرات ہوئے ان کے اثرات تنقید پر بھی پڑے اور اس نے بھی اپنے اندر ایک انقلابی کیفیت پیدا کی.....ادب کے معنوی پہلو کی طرف تنقید نے زیادہ توجہ کی۔ اس نے ادب کو الہامی، ماورائی اور ما بعد الطبیعاتی چیز نہیں سمجھا بلکہ اس بات پر زور دیا کہ ادب سماجی زندگی کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں ان پہلوؤں کا سمویا جانا ضروری ہے جو سماجی اعتبار سے وقت کا تقاضا ہوں۔'' (۱)

یہ بات صرف تخلیقی ادب پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ تنقید بھی جب ایسی تخلیقات کا جائزہ لیتی ہے تو نقاد کو ذہنی طور پر خود کو اس بات کے لیے تیار رکھنا پڑتا ہے کہ وہ سماجی حالات اور وقت کے تقاضوں کو کس تناظر میں سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک سماجی شعور اور وقت کا ادراک کس حد تک ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے جس نقاد نے اس طرف توجہ کی وہ مولانا الطاف حسین حالی ہیں۔ جنھیں شائد اسی وجہ سے اردو کا پہلا نقاد کہا جاتا ہے۔ حالی نے

پہلی بار عملی تنقید سے زیادہ نظری مباحث کو اہمیت دی اور جو اصول وقوانین تنقید کے لیے وضع کیے ان میں اس بات کو اوّلیت دی کہ تنقید کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور ایک نقاد اپنے عہد کے شعور سے پوری طرح بہرہ ور نظر آنا چاہیے۔

اُردو تنقید میں ''عصری شعور'' کا آغاز اس وقت ہی ہو گیا تھا جب مولانا حالی نے تنقید لکھنی شروع کی تھی۔ مولانا حالی نے اس دَور میں جب کہ ساری دکانوں پر ایک جیسا مال دستیاب تھا، اپنی ایک الگ دکان کھولی جس کا مال بھی دوسروں سے الگ تھا اور اس کا معیار بھی دوسروں سے مختلف تھا۔ مولانا حالی کے یہاں ''عصری شعور'' ایک محدود شکل میں نظر آتا ہے جسے ہم سماجی تناظر میں معاشرتی دائرے میں رکھ کر دیکھ سکتے ہیں۔ جب انھوں نے یہ کہا کہ شاعری سوسائٹی کے تابع ہے تو وہ دراصل ''عصری شعور'' ہی کی بات کر رہے تھے، لیکن یہ عصری شعور کی ابتدائی شکل تھی جس میں سماجی شعور کا رویّہ غالب تھا۔ اُردو ادب میں حالی وہ پہلے نقاد ہیں جن کے تنقیدی نظریات منظّم اور مربوط شکل میں ملتے ہیں۔ ان کا تنقیدی نظام جزئیات سے نہیں بلکہ ایک کُل سے تشکیل پاتا ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کے لیے نئے معیارات قائم کیے۔ مبالغہ آرائی اور بے لگام تخیّل سے گریز کرنے کی تلقین کی اور جدید اردو تنقید کے لیے نئے اصول، معیارات اور پیمانے وضع کیے۔

حالی نے اپنی اولین تنقیدی کتاب **مقدمہ شعر و شاعری** (۱۸۹۳ء) میں تمام تر شاعری سے سروکار رکھا ہے۔ انھوں نے غزل، قصیدہ اور مثنوی کے حوالے سے جو مباحث چھیڑے ہیں ان میں شعر کی ماہیت، منصب اور ضروری اوصاف، شاعری کا سماجی زندگی سے تعلق اور اس کی اہمیت، اردو شعری اصناف کا تجزیہ اور ان کی خوبیاں وخامیاں اور زبان اور لفظیات کی اہمیت وغیرہ شامل ہیں۔ حالی کی تنقید کے یہ بنیادی نکات ان کی تنقید کا بنیادی خاکہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ان نکات کی روشنی میں ہم واضح طور پر یہ سمجھ سکتے ہیں کہ حالی کے نزدیک اجتماعی زندگی کس قدر اہمیت کی حامل ہے اور شاعری کس طرح اس اجتماعی زندگی کو متاثر کرتی ہے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر قومی تاریخ اور تہذیب پر کتنے گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ نقطہ نظر ہمیں سیدھا اس خیال تک پہنچاتا ہے کہ حالی کس حد تک اپنے عہد کی صورت حال سے باخبر تھے اور اپنے عہد میں ہونے والی نو بہ نو تبدیلیوں اور تغیّرات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ اسی بات کو انھوں نے آگے چل کر وضاحت کے ساتھ مقدمے میں بیان کیا ہے۔ وہ نہ صرف سوسائٹی میں شاعری کی افادیت کا علم رکھتے تھے بلکہ شعر کی تاثیر سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی عہد یا زمانے کا شاعری پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ شاعری نا شائستگی کے زمانے میں ترقی کرتی ہے۔ جبکہ شائستگی کے زمانے میں یہ قائم تو رہتی ہے لیکن اس کا تیزی سے آگے بڑھنے کا عمل متاثر ہوتا ہے۔ شاعری کے لیے جمہوری دور زیادہ مناسب ہوتا ہے جبکہ شخصی حکومت اور آمریت کے زمانے میں شاعر کی آزادی کو نقصان پہنچنے سے شاعری بھی متاثر ہوتی ہے۔ بُری شاعری نہ صرف سماج کو نقصان پہنچاتی ہے بلکہ شاعر کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ مولانا کے خیال میں سب سے بڑا نقصان جو شاعری کے بگڑ جانے اور اس اس کے محدود ہو جانے سے ملک کو ہوتا ہے وہ اس کے لٹریچر اور زبان کی تباہی و بربادی

ہے۔(۲) لہٰذا کسی ملک کی شاعری کا اس کے لٹریچر کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ شاعری کے فنی پہلوؤں پر مباحث سے الگ مولانا حالی نے شاعری کے مفہوم کو ایک وسیع تر تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے ملٹن کے الفاظ میں شعر کی یہ تعریف کی ہے:

''شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو۔''(۳)

مولانا حالی کے خیال میں سادگی صرف لفظوں کی ہی نہیں بلکہ خیالات کی بھی ہے۔ خیالات ایسے نازک اور دقیق نہیں ہونے چاہئیں۔ جن کے سمجھنے کی عام ذہنوں میں گنجائش نہ ہو اور دوسرا یہ کہ شعر اصلیت پر مبنی ہو یعنی خیال کی بنیاد ایسی چیز پر ہونی چاہیے جو درحقیقت کچھ وجود رکھتی ہو اور جوش سے صرف یہی مراد نہیں کہ شاعر نے جوش کی حالت میں شعر کہا ہو یا شعر کے بیان سے اس کا جوش ظاہر ہوتا ہو بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ شعر پڑھنے والوں کے دلوں میں جوش پیدا کیا جائے۔ مولانا حالی نے شعر کی تاثیر کے حوالے سے جتنی بھی مثالیں دی ہیں وہ سب کی سب سماجی حوالہ رکھتی ہیں اور عصری شعور کے ذیل میں آتی ہیں۔ اسی طرح شاعری کے لیے مولانا حالی نے تین چیزیں تخیّل، کائنات کا مطالعہ اور تفحّص الفاظ کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں اگر شاعر ان تینوں چیزوں پر قدرت رکھتا ہے تو وہ اپنے شعر کے ذریعے اپنے ہم جنسوں کے دل میں اثر پیدا کر سکتا ہے۔ مولانا حالی اپنے دور کی شاعری کے لیے اصول وضوابط وضع کرنا چاہ رہے تھے کہ یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے ملک کے اندر قومی انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ الغرض حالی کی یہ اولین تنقیدی کاوش یہ بتانے کی کوشش ہے کہ بدلتے ہوئے زمانے میں شاعری کے مطالبات کیا ہیں اور بدلتی ہوئی شاعری سے زمانے کی توقعات کیا ہیں۔ انھوں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ شاعری کیا ہو کر ہمیں کیا فائدے پہنچا سکتی ہے اور کیا نہ ہونے کی صورت میں ہمیں اس سے کیا نقصان پہنچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ 'مقدمہ شعر و شاعری' سے قبل اردو میں تنقید بالکل ابتدائی شکل میں تھی اور زیادہ تر عملی تنقید کے نمونے ملتے تھے۔ مولانا حالی پہلے نقاد ہیں جنھوں نے سب سے پہلے بنیادی اصول ونظریات وضع کیے۔ وہ ذہنی طور پر سرسید تحریک سے وابستہ تھے۔ جس کا بنیادی مقصد معاشرتی اصلاح کرنا تھا چنانچہ حالی نے شاعری کا تعلق معاشرے سے قائم کیا۔ ان کے نزدیک شاعری کی تمام تر اہمیت سوسائٹی کے لیے ہے۔ لہٰذا سوسائٹی کی آواز اور اس کے مطالبات پر کان دھرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹر ضیا الحسن نے مولانا حالی کو باقاعدہ عمرانی نقاد کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ ان کے خیال میں:

''ان کی تنقید عمرانی نظریات کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اپنے عہد کی عمرانی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔''(۴)

جب ہم عصر کی بات کرتے ہیں تو عصر کا تعلق سماج ہی سے ہوتا ہے زمانہ کسی معاشرے یا سماج ہی پر اطلاق پاتا ہے۔ لہٰذا تنقید کے بارے میں مولانا حالی کا سماجی رویہ دراصل ان کا عصری رویہ ہے۔ جس کا وہ اس حد تک ادراک رکھتے ہیں کہ انھوں نے ایسے زمانوں کی بھی نشاندہی کر دی جن میں شاعری پروان چڑھتی ہے اور سکہ رائج الوقت بن جاتی ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف شاعری پر سماج کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو دوسری طرف سوسائٹی پر

شاعری کے اثرات بھی ان کی تنقید کا اہم موضوع ہیں۔ شاعری کو سوسائٹی کے تابع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قاعدہ ہے کہ جس قدر سوسائٹی کے خیالات، اُس کی رائیں، اُس کی عادتیں، اُس کی رغبتیں، اُس کا میلان اور مذاق بدلتا ہے، اسی قدر شعر کی حالت بدلتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی بالکل بے ارادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ سوسائٹی کی حالت کو دیکھ شاعر قصداً اپنا رنگ نہیں بدلتا بلکہ سوسائٹی کے ساتھ ساتھ وہ خود بخود بدلتا چلا جاتا ہے۔'' (۵)

بہر حال مولانا حالی کا ذہن ادب اور سماج کے باہمی تعلق کی تمام جزئیات سے بخوبی آگاہ تھا۔ انھوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ اپنے دور کی سماجی زندگی پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ دونوں کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے اور شعر کی تاثیر سے انھیں پوری توقع تھی کہ وہ معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی بھر پور صلاحیت رکھتی ہے۔ مولانا کے نزدیک ادب ایک سماجی پیداوار ہے اور یہ اپنے معاشرے کا عکاس، مفسر اور ترجمان ہوتا ہے۔ معاشرتی حالات، سماج، زمانہ، تہذیب اور ادبی قدریں تغیّر پذیر رہتی ہیں۔ لہٰذا ان تبدیلیوں کے ساتھ انسان کو بھی بدلنا چاہیے۔ مولانا حالی نے معاشرے کے زوال سے انسلاک کر کے سماجی شعور کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے معاشرے کی دھڑکنوں کو محسوس کیا اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی کیفیتوں کو جانچنے کی سعی کی اور اپنے دور میں تخلیق کیے جانے والے ادب کی نوعیت کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ یہی سماجی شعور عصری حوالے سے عصری شعور کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ آج پھر اس عہد انتشار میں ادبی تنقید اس دوراہے پر کھڑی ہے کہ ڈاکٹر سلیم اختر پھر سے حالی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج اُردو تنقید بے وزنی کے عالم میں ہے۔ ہمارے پاس اس وقت کوئی اتنی بڑی ادبی تھیوری نہیں ہے جو تنقید کی ڈانواں ڈول نیا کے لیے لنگر کا کام کر سکے۔ اسی لیے آج پانی پت کے الطاف حسین حالی کی ڈیڑھ صدی بعد پہلے سے بھی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آج کا عہد اپنے حالی کی تلاش میں ہے۔'' (۶)

مولانا شبلی کی شخصیت بیک وقت عالم، مؤرخ، نقاد، سوانح نگار، معلم، مصلح، ادیب، شاعر اور انشاء پرداز کی ہے۔ اُن کا شمار بھی اپنے عہد کے اہم نقادوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بھی حالی کی طرح تنقید کو چند اصطلاحوں میں سے نکال کر با قاعدہ نظریہ سازی کی۔ شبلی کی شخصیت بھی حالی کی طرح وقت کے عصری اور سماجی حالات سے متاثر تھی۔ اس وقت کے ادب اور زندگی کے عام رجحانات کے اثرات ان پر بھی نمایاں ہیں اور ان کی جھلک ان کی تنقید میں بھی نظر آتی ہے۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ شبلی کی تنقید جمالیاتی اصولوں سے ترتیب پاتی ہے۔ اس بات میں جزوی صداقت موجود ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان کے یہاں عمرانیاتی حوالے نظر انداز ہو گئے ہوں۔ سرسید کی اصلاحی تحریک سے وابستہ کسی ادیب کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مقصدیت اور اصلاحی نقطہ نظر سے بالکل بیگانہ ہو جائے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ شبلی کی تنقید کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شبلی کی تنقید میں اجتماعی اور عمرانی نقطہ نظر بھی ہے مگر اس کے باوجود ان کا مزاج جمالیاتی اور

تاثراتی رویے کی طرف خاص جھکاؤ رکھتا ہے اور قدرے اُن بلاغتی تصورات سے بھی متاثر ہے جو ان کے ادبی اکتساب اور ادبی روایت نے انہیں دیے تھے، مغربی خیالات سے شبلی کا استفادہ ،حالی کے مقابلے میں ، کچھ زیادہ واضح ہے۔ انھوں نے جن نظریات سے استفادہ کیا ہے ان کی صحیح شکل ان کے علم میں محفوظ معلوم ہوتی ہے ، بلکہ اس استفادے کی وجہ سے وہ اپنے شعر و ادب اور اپنے علوم کے مطالعہ کے مثبت اصول بنانے میں بھی ایک حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کے یہاں یہ امتزاج بہت حسین معلوم ہوتا ہے ۔مگر بعض جگہ اپنی روایت اور مغربی روایت گھل مل نہیں سکی۔'' (۷)

ڈاکٹر سید عبداللہ کی اس رائے کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کی تنقید میں عمرانی یا سماجی پہلو موجود تو ہے لیکن اس طرح واضح شکل میں نظر نہیں آتا جیسے حالی کے یہاں موجود ہے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

''حالی کی طرح انھوں (شبلی) نے شاعری کے سماجی پہلو پر کہیں مفصل بحث نہیں کی ہے ۔ مضامین دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ سماجی حالات کی تبدیلی سے شاعری میں تبدیلی ہونے کو وہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں..... اور شاعری اور سوسائٹی اور شاعری کی تبدیلی کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک شاعری میں قومی وملکی خصوصیات کا جھلکنا ضروری ہے۔ اس خیال پر انھوں نے یقیناً کہیں بحث نہیں کی ہے لیکن ان کی تحریروں میں اس طرف اشارے ضرور ملتے ہیں۔''(۸)

شبلی کی تنقید میں **شعر العجم** جلد چہارم کو وہی مقام حاصل ہے جو حالی کی تنقید میں **مقدمہ شعر و شاعری** کو۔ انھوں نے **شعر العجم** میں شعر کی ماہیت سیر حاصل بحث کی ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ لفظ و معنی، تخیل، محاکات، اخلاق، اثر آفرینی ، الفاظ اور ان کے استعمال ، سادگی، اصلیت، شعر کی تاثیر اور معاشرت کا شاعری پر اثر وغیرہ جیسے موضوعات پر بھی اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ انھوں نے تنقید کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں کی طرف توجہ کی۔ ان کی تنقید کا خاص میدان شاعری ہے ۔شعر میں سادگیٔ ادا کے قائل ہیں ۔ ان کے یہاں سادگی ادا سے مراد یہ ہے کہ جو مضمون شعر میں ادا کیا جائے وہ بے تکلف سمجھ میں آ جائے ۔ ان کے نزدیک شاعری کا منبع ادراک نہیں بلکہ احساس ہے اور جب یہ احساس الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے خیال میں شبلی کے ہاں تمام عالم ایک شعر ہے۔ زندگی میں شاعری بکھری پڑی ہے جہاں زندگی ہے وہاں شاعری موجود ہے اور جہاں شاعری موجود ہے وہاں زندگی ہے۔ (۹) شبلی نے شعر میں اصلیت اور واقعیت کو ضروری قرار دیا ہے ۔ کیونکہ زندگی کی اصلیت اور واقعیت سے بھرپور ترجمانی ہی شعر کا مقصد ہے۔ لکھتے ہیں:

''شاعری سے اگر تفریح مقصود ہو تو مبالغہ کام آ سکتا ہے لیکن وہ شاعری جو ایک طاقت ہے، جو قوموں کو زیر و زبر کر سکتی ہے، جو ملک میں ہلچل ڈال سکتی ہے، جس سے عرب قبائل میں آگ لگا دیتے تھے، جس سے نوحہ کے وقت در و دیوار سے آنسو نکل پڑتے تھے، وہ واقعیت و اصلیت

سے خالی ہو تو کچھ کام نہیں کر سکتی۔'' (۱۰)

مولانا حالی کی طرح شبلی بھی معاشرے پر شاعری کے اثرات کے قائل تھے۔ ان کے خیال میں شاعری ایک بہت بڑی قوت ہے جس سے بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں۔ اس سے زندگی بسر کرنے کی خواہش اور لوگوں میں شریفانہ اخلاق بھی پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''شریفانہ اخلاق پیدا کرنے کا شاعری سے بہتر کوئی آلہ نہیں ہو سکتا۔ علم اخلاق ایک مستقل فن ہے اور فلسفہ کا جزو اعظم ہے۔ ہر زبان میں اس فن پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اخلاقی تعلیم کے لیے ایک شعر ضخیم کتاب سے زیادہ کام دے سکتا ہے۔ شاعری ایک موثر چیز ہے اس لیے جو خیال اسکے ذریعے سے ادا کیا جاتا ہے دل میں اتر جاتا ہے اور جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے۔ اس بنا پر اگر شاعری کے ذریعے سے اخلاقی مضامین بیان کیے جائیں اور شریفانہ جذبات مثلاً شجاعت، ہمت، غیرت، حمیت، آزادی کو اشعار کے ذریعہ سے ابھارا جائے تو کوئی اور طریقہ برابری نہیں کر سکتا۔'' (۱۱)

شبلی نے خود بھی ایسی ہی شاعری کی اور دوسرے شعرا کو بھی اخلاقی شاعری پر اکسایا۔ شبلی شعر و ادب پر معاشرے کے اثرات کے بھی قائل تھے اس لیے انھوں نے شعر و ادب پر تمدن اور معاشرتی اثرات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ مباحث ان کے اپنے عہد کے مسائل اور صورتحال کی وجہ سے ان کی فکر کا حصہ بنے۔ شبلی کے سماجی شعور کے حوالے سے محمد اسحاق شمسی لکھتے ہیں:

''شبلی پہلے نقاد ہیں جنھوں نے ادب پر معاشرت، تمدن، نظام حکومت اور معاشی حالات کا اثر محسوس کیا اور دوسروں کو بھی محسوس کرانے کی کامیاب کوشش کی..... آج کل کے نقاد جس شے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں یعنی ادب پر طبعی حالات کا اثر دکھانے کی کوشش، یہ کام شبلی اب سے نصف صدی پہلے کر چکے ہیں۔'' (۱۲)

شبلی کی دوسری تنقیدی کتاب **موازنہ انیس و دبیر** ہے جو ان کے گہرے تنقیدی شعور کی عکاس ہے۔ اس میں انھوں نے فصاحت و بلاغت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اصولی اور نظریاتی بحث کی ہے۔ جہاں تک شبلی کے عصری شعور کا تعلق ہے تو یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ کوئی بھی نقاد عصری شعور سے بے بہرہ ہو کر تنقید کا حق ادا نہیں کر سکتا چنانچہ ان کے یہاں ہمیں کئی ایسی مثالیں نظر آ جاتی ہیں جن سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ شبلی کی ایک حیثیت تاریخ دان کی بھی ہے چنانچہ ان کا تاریخی شعور اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ ادب پر ہونے والے معاشرتی و عمرانی اثرات کو نظر انداز نہ کریں کیوں کہ اس کے بغیر ان کی نقادانہ حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر شارب ردولوی کی یہ سطور خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ جن میں وہ لکھتے ہیں:

''یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی تنقید صرف تاثراتی ہی ہے کیونکہ وہ ایک گہرا تاریخی و معاشرتی شعور بھی رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت کے کئی پہلو نظر آتے ہیں وہ ادب میں ایک طرف سیاسی رد و

بدل کے اثرات دیکھتے ہیں تو دوسری طرف ذوقی اور جمالیاتی پہلوؤں کا خیال رکھتے ہیں۔''(۱۳)

اس تناظر میں دیکھا جائے تو وہ زبان کے معاشرتی میلانات و رجحانات پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ واقعیت یا اصلیت کو شعر میں تاثیر پیدا کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور اس معاملے میں مولانا حالی سے اتفاق کرتے ہیں۔ اپنی تمام تر جمال پسندی کے باوجود وہ شاعری کو اعلیٰ اخلاقی کمالات پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور یوں سوسائٹی پر شاعری کے اثرات کے قائل ہیں اسی طرح طرزِ معاشرت کے شعر و ادب پر اثرات کے بھی قائل ہیں۔ انھوں نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ مطلق العنان بادشاہوں کے زمانے میں زیادہ تر قصیدہ اور مثنوی کو فروغ حاصل ہوا اور یوں شاعروں کو وہ آزادی نصیب نہیں ہوئی جو اعلیٰ شعری تخلیق کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح شبلی نے معاشرت کے اختلاف کے شاعری پر اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اسی طرح ایک ہی زبان کی شاعری مختلف ملکوں میں مختلف خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ تمدن و معاشرت کے فرق کی وجہ سے شاعری میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ شبلی تخلیق ادب میں نسل پرستی کے بھی قائل ہیں۔ اس کا براہ راست تعلق عصری شعور سے یوں بنتا ہے کہ ان کے خیال میں کمینہ خاندان سے تعلق رکھنے والا اگر کوئی شخص شعر کہے گا تو اس کی شاعری سے کمینگی جھلکے گی۔

صلے کی تمنا نے شاعری میں ایسی خرابیاں پیدا کیں کہ ہر کس و ناکس نے شاعری میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ شبلی شعر و ادب پر آب و ہوا کے اثرات کا بھی تجزیہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ طرزِ معاشرت اور شاعر کی اعلیٰ نسبی کے ساتھ ہر ملک کی آب و ہوا کے اثرات بھی اس ملک کی زبان اور شاعری دونوں پر پڑتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں کی زبان پر پہاڑوں کی سختی کے اثرات اور صحراؤں کے رہنے والوں کی زبان میں صحرائی اثرات ضرور ہوں گے۔ شبلی کی تنقیدی فکر سے اختلافات رکھنے کے باوجود تمام نقادوں نے ان کی تنقیدی بصیرت اور اردو تنقید میں ان کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک مخصوص زاویہ نگاہ سے اپنا انداز تنقید وضع کیا اور سرسید کے اصلاحی پروگرام سے وابستہ رہتے ہوئے بھی اور اس سے الگ ہو کر بھی اپنے تنقیدی معیار کو ہمیشہ قائم رکھا۔

حالی اور شبلی کے یہ نقطہ ہائے نظر بڑی وضاحت سے ہمیں عصری شعور کے قریب تر لے آتے ہیں۔ جہاں تخلیق کار اور نقاد دونوں ایک ہی سوچ کے حامل نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عصری شعور کے دائرے میں محض ایک عہد، ایک زمانہ یا ایک صورتحال ہی نہیں آتی بلکہ ان کے تمام تر متعلّقات بھی عصری شعور میں شامل ہیں۔ مثلاً اگر ایک زمانہ عصر میں شامل ہے تو اس میں کوئی علاقہ یا خطہ بھی ضرور ہونا چاہیے جس پر وہ زمانہ گزر رہا ہے۔ اس خطے کی آب و ہوا اور موسموں کا ذکر بھی ہونا چاہیے۔ وہاں کے لوگ، ان کی بود و باش، تہذیب و تمدن، معاشرت، سماجی حالات یہ سب اجزا زمانے یا عصر کے کُل میں شامل ہیں، لہٰذا ایک نقاد جب کسی تخلیق کا جائزہ لیتے ہوئے عصری شعور کو بروئے کار لاتا ہے تو اس میں وہ تمام سماجی، عمرانی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی، تمدنی، تاریخی، تعلیمی اور سیاسی حالات بھی شامل ہو جاتے ہیں جو اس زمانے یا عصر سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں شبلی کی **شعر العجم** ہو یا **موازنہ انیس و دبیر** یا مولانا حالی کی **مقدمہ شعر و شاعری** ہو یہ سب کی سب اسی عصری شعور کی ذیل میں آ جاتی ہیں جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی ہے۔

حوالہ جات :

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، **اُردو تنقید کا ارتقاء**، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۱ء، ص ۱۵۰

۲۔ حالی، الطاف حسین، خواجہ، **مقدمہ شعر و شاعری**، لاہور، پاپولر پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء، ص ۵۸

۳۔ ایضاً، ص ۵۳

۴۔ ضیاء الحسن، ڈاکٹر، **اُردو تنقید کا عمرانی دبستان**، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۷

۵۔ حالی، الطاف حسین، خواجہ، **مقدمہ شعر و شاعری**، ص ۴۹

۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، **مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر**، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۲۴۱

۷۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، **اشارات تنقید**، دوسرا ایڈیشن، لاہور، مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۲ء، ص ۱۷۵

۸۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، **اردو تنقید کا ارتقاء**، ص ۱۷۵، ۱۷۶

۹۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، **تنقید اور اصول تنقید**، لاہور، ادارہ ادب و تنقید، ۱۹۸۴ء، ص ۱۴۹

۱۰۔ مولانا شبلی نعمانی، **شعر العجم جلد چہارم**، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، س۔ن، ص ۵۹۔۶۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۷۳

۱۲۔ محمد اسحاق شمسی، **شبلی کا تنقیدی شعور**، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۰ء، ص ۲۶۴، ۲۶۵

۱۳۔ شارب ردولوی، ڈاکٹر، **جدید اردو تنقید اصول و نظریات**، لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۹۵